ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

**JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)**

**Vol.7. No.4 2024**

# انسانی زندگی اور شخصیت و کردار کی تعمیر و تشکیل کا نفسیاتی تناظر

**عاطف منظور**

لیکچرر اُردو (وزیٹنگ)، ڈویژن آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

**ڈاکٹر فوزیہ شہزادی**

سکول ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، لاہور

**ڈاکٹر قربان علی**

لیکچرر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج سول لائنز، لاہور

*

**Atif Manzoor**
Lecturer Urdu (Visiting), Division of Education,
University of Education, Lahore
**Dr. Fouzia Shahzadi**
School Education Department, Lahore
**Dr. Qurban Ali**
Lecturer, Department of Urdu,
Govt. Islamia Graduate College Civil Lines, Lahore

**Abstract:**

*Man has unraveled the hidden secrets of the universe, uncovering the truths of this vast cosmos. Everything within the realm of this universe falls under its domain, including the Earth and all living beings on it, such as humans, animals, the heavens, and the living and non-living entities within them. No matter how human life is defined, its vastness leaves one in awe, reflecting its infinite depth. One way to navigate the complexities of life is through realism, where an individual steps out of the world of imagination and examines the surrounding realities to adopt a lifestyle that not only benefits their own life but also enhances the lives of those connected to them, making them meaningful, useful, and admirable. Realism can also be equated with self-awareness, as it encourages a person to engage in self-dialogue. Through this process, one's conscience holds them accountable for their actions and behaviors, demanding answers and fostering self-accountability. The Holy Quran repeatedly invites mankind to ponder over the universe and the phenomena of nature. To truly understand a human being, it is essential to understand their psychology. Psychology is the only science that seeks to comprehend human behavior, identify its causes, predict it, and attempt to control it. It focuses on both groups and individuals, examining the actions of a newborn child and exploring every stage of life, from infancy and childhood to adolescence, youth, and old age. Psychology not only studies these various phases but also sheds light on human behavior. In this article, the authors have thoroughly discussed human life and the development and formation of personality and character from a psychological perspective.*

**Keywords:** Universe, Ethics, History, Society, Personality, Psychological aspects, Intellect, Life, Civilization

**کلیدی الفاظ:** کائنات، اخلاقیات، تاریخ، سماج، شخصیت، نفسیات، نفسیاتی عوامل، عقل، زندگی، تہذیب

عقل اس زندگی کو مؤثر اور بہتر انداز میں گزارنے کے قابل بناتی ہے۔ تاریخ اور سماجیات کی کتب میں انسان کی زندگی کے اوائل کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لباس کے بغیر زندگی بسر کرتا تھا۔ درختوں یا غاروں کو اپنا مسکن بناتا تھا۔ کھانے کے لیے پھلوں، جانوروں کی شکار سے حاصل ہونے والے کچے گوشت سے اپنا پیٹ بھرتا تھا۔ انسان کی موجودترقی سے ماضی بعید کی طرف نظر دوڑائیں تو ہمارے مشاہدے کو موثر بنانے میں تاریخ کا بڑا کردار دکھائی دیتا ہے۔ تاریخ کیا ہے؟ حالات وواقعات کی وہ دستاویز ہے جس میں انسانوں کی ترقی کی ابتدا سے لے کر دور حاضر کی ترقی یافتہ صورت کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اس میں مختلف قوموں کی ترقی اور اس کے زوال کے اسباب موجود ہیں۔ ان واقعات سے سیکھنے والا ہر دور میں سیکھتا اور قومی و معاشرتی زندگی کو بہتر بناتا ہے۔ تاریخ کے باب میں ابنِ خلدون کا کہنا ہے کہ:

> ”گزشتہ قوموں کے حالات، اُن کے اخلاق وعقائد اور اندازِ سیاست کا بیان کہ کرۂ ارض پر کن کن قوموں نے کن حالات میں فرمانروائی کے تخت بچھائے، انبیا و حکمانے کیا ہدایات دیں اور ہماری عبرت پذیری کے لیے اپنی زندگیوں میں کیا کیا نمونے چھوڑے ہیں۔“[1]

انسان کے ازل سے ابد تک کے واقعات کا احاطہ تاریخ کا موضوع ہے۔ تاریخ منقول روایات کا مجموعہ ہے جس کی بنیاد پر ماہرین عمرانیات کا کہنا ہے کہ انسان تاریخ میں پانچ ہزار سال پیچھے تک سفر کر سکتا ہے۔ اگر انسان کو ماضی بعید کی اس تاریخ سے بھی پیچھے جانا ہو تو اُسے معقول سے مدد لینا ہو گی۔ تاریخ زندگی کے بہت سے معاملات میں انسانیت کی راہ نمائی کا فریضہ سر انجام دیتی ہے لیکن کئی معاملات میں اس کے پاس بھی جوابات نہیں ہیں جن کی وجہ سے انسان معقول یعنی عقل کے ذریعے اُن سوالات کے حل تلاش کرنے کے لیے سر گرداں رہتا ہے۔ انسان عالمِ ارواح سے اس کائنات میں وارد ہوتا ہے۔ اس لیے وہ خود سے سوال کرتا ہے کہ یہ کائنات کب سے ہے؟ یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟ اس کا نام کیسے وقوع پذیر ہوا؟ انسان نے ابتدائی زندگی کیسے گزاری؟ اس نے یہ ترقی کیسے حاصل کرنا شروع کی؟ اسی نوع کے دیگر سوالوں نے اُسے غور و فکر کی دعوت دی جس کی بہ دولت جیسے جیسے اُس نے تفکر و تدبر کی روش اپنائی ویسے ویسے اُسے اُن سوالات کے حل بھی ملنا شروع ہو گئے۔ اُنھی کی بنیاد پر اُس نے کائنات کے سربستہ رازوں کو چاک کر کے اس کائنات جسے انگریزی میں(Universe) کہتے ہیں، کی حقیقت آشکار کی۔ اب اس کائنات کے دائرہ اختیار میں سبھی کچھ شامل ہے جن میں زمین اور زمین کی جملہ جان دار چیزیں جن میں انسان، حیوانات، آسمان، آسمان میں موجود تمام ذی روح اور دیگر مخلوقات شامل ہیں۔ جب کہ بے جان چیزوں پر مشتمل کائنات کو ابتدائی سطح پر طبیعی کائنات یعنی(Physical Universe) کا نام دیا جاتا تھا۔ دورِ حاضر میں اب اس کے لیے کوسموس(Cosmos) کی اصطلاح رائج ہے۔ یہ قدیم یونانی لفظ ہے جو ”نظم و ترتیب دنیا“ کا مفہوم اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ طبیعی کائنات کو علم الکائنات یا کونیات(Cosmology) کا نام دیا جاتا ہے جس کے تین بڑے شعبے ہیں۔ ایک کو تکوینیات(Cosmogeny) کے نام سے پکارا جاتا ہے جس میں اُن موضوعات پر بات کی جاتی ہے جو کائنات کی تخلیق اور اُس کے آغاز سے متعلق ہوتے ہیں۔ دوسرے کو کائناتیت(Cosmogony) کے نام سے موموسوم کیا جاتا ہے۔ اس میں کائنات کے ارتقائی مراحل کو زیر بحث لایا جاتا ہے جیسے ستارے کیوں کر بنے، کہکشائیں کہاں سے آ گئیں، سورج اور سیارے کیسے پیدا ہوئے، زمین کیسے اپنی اصل حالت میں آئی اور اس کے چاند نے کیسے نمو پذیری اختیار کی۔ اس کے تیسرے شعبے کو کائنات نگاری (Cosmography) کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس میں کائنات کی ساخت اور اس کی عام خصوصیات پر غور و فکر کی جاتی ہے۔ یہ کائنات چوں کہ مادہ سے وجود میں آئی ہے اس لیے لازم ہے کہ ایک ایسا علم بھی ہو جو اس کے مادی حقائق کا مطالعہ کرے۔ اس لیے مادی حقائق اور اس کی خصوصیات کو علم طبیعیات میں جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ سائنس سے گہری دل چسپی رکھنے والے یہ بات بہ خوبی جانتے ہیں کہ زمین کے مادے اور جن سیاروں پر تحقیق ہو رہی ہے اُن کے مادوں میں ایک واضح فرق موجود ہے۔ اس لیے اجرام فلکی کے مادے کا مطالعہ کرنے والے علم کو فلکی طبیعیات(Astrophysics) پکارا جاتا ہے۔

مادہ ایک سے زیادہ حالتوں پر مشتمل ہے اس لیے اس کی ہر حالت تغیر پذیر ہے۔ اس لیے مادہ میں ہونے والی بے شمار تبدیلیوں اور اُن کی بدلتی ہوئی حالتوں، اُن کے اصول و ضوابط پر روشنی ڈالنے کے لیے کیمیا(Chemistry) وجود میں آئی۔ یہ نہ صرف مادی تبدیلیوں کا مطالعہ کرنے میں مدد گار ثابت ہوتی ہے بل کہ اس کے تحلیل و ترکیب کے طریقوں سے بھی آشنا کرتی ہے جس کی بہ دولت پانی کو اس کے اجزائے ترکیبی یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن میں تحلیل کی ترکیب سے جدا جدا کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ انھی اجزا کو دوبارہ پانی کی شکل میں اکٹھا بھی کیا جاسکتا ہے۔ طبعیات اور کیمیا کے علاوہ بھی کائنات کے اہم شعبے افلاک کو علم فلکیات(Astronomy) کے زیرِ اثر پرکھا جاتا ہے۔ کائنات کا وہ حصہ جس پر انسان رہتا ہے اس کے بارے میں سید قاسم محمود کا کہنا ہے کہ:

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



> ''کائنات کا وہ چھوٹا سا حصہ ہمارے مطالعے کے لیے خاص دلچسپی رکھتا ہے جس پر ہم خود رہتے ہیں یعنی ہماری زمین۔ اس کا مطالعہ جغرافیہ، جیومیٹری اور ارضیات کرتے ہیں۔ ارضیات کے تحت زمین کی سطح کے مختلف طبقات کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس کی تحقیقات سے زندگی کی ابتدا اور قدیم ترین چیزوں اور بالخصوص قدیم انسان کا سراغ لگانے میں بہت مدد ملتی ہے۔''۲

اس کائنات جس پر انسان نے بسیرا کر رکھا ہے اس کے بارے میں سائنس دانوں کا قیاس ہے کہ یہ آج سے پندرہ ارب سال پہلے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ اس سے متعلق اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ دو مختلف حالتوں سے ہمیشہ گزرتی رہی ہے۔ کبھی یہ سکڑنے لگتی ہے تو کبھی یہ پھیلاؤ کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یہ عمل کئی ارب سال میں مکمل ہوتا ہے۔ اس نظریے کی رُو سے اُن کا یہ بھی کہنا ہے کہ آج کا انسان کائنات کے پھیلاؤ کے دور میں اپنی زندگی کے دن گزار رہا ہے۔ جس کے تحت گلوبل وارمنگ (Global Warming) جیسے مسائل کا بھی اُسے سامنا ہے۔ پھیلاؤ کا یہ عرصہ آئندہ تقریباً تیس ارب سال تک جاری رہنے کا امکان ہے۔ کائنات کی ماہیت سے متعلق سائنس دانوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ:

> ''اس لا انتہا وسعت میں جہاں تک ہماری نظر جاتی ہے اور اس کے آگے بھی مادی اشیا موجود ہیں ان سب کے مجموعے کے لیے کائنات کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔۔۔۔۔ کائنات کے اندر بڑے بڑے ستاروں کے جھرمٹ ہیں اور اُن کے درمیان گیس اور سفوف کی شکل کا مادہ ہے۔ ستارے گروپس کی شکل میں موجود ہیں اور ان ستاروں کے کسی گروپ اور اُن کی درمیانی جگہ میں جو گیس اور سفوف موجود ہے ان سب کو ملا کر جو چیزیں معرضِ وجود میں آتی ہیں اُسے گلیکسی (Galaxy) یا کہکشاں کہتے ہیں۔ ایک گلیکسی کے اندر اربوں کی تعداد میں ستارے موجود ہیں۔ جو سب سے چھوٹے سائز کی گلیکسی ہیں اُن کی وسعت کا اندازہ یہ ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک گلیکسی کا فاصلہ 300 Parse ہے۔۔۔۔ ستاروں کے سائز چھوٹے بڑے ہیں۔ ہمارا سورج بھی ایک ستارہ ہے لیکن وُہ دوسرے بعض ستاروں کے مقابلے میں درمیانے سائز کا ہے۔ سورج کا قطر (Orbit) ۸،۶۴،۰۰۰ میل ہے۔ اس کے مقابلے میں بی ٹیلجلس (Betelgecx) ایک ستارہ ہے جس کے قطر میں سورج اور زمین بل کہ مریخ کا مدار (Orbit) سما جاتا ہے۔ مریک کا مدار ۲۸۴۰ لاکھ (Diameter) میل ہے۔''۳

اس کائنات کے مظاہر سے ہٹ کر جب انسان کی نظر اپنے آپ پر پڑتی ہے تو وہ خود سے سوال کرتا ہے کہ یہ زندگی کیا ہے؟ کسی ذی روح میں روح کا موجود ہونا زندگی کہلاتا ہے، اگر زندگی کے لفظ پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ زندگی سے بنایا گیا ہے۔ لاہوری اور قصوری میں آنے والی ''ی'' یائے نسبتی کہلاتی ہے کیوں کہ یہ ''ی'' جس کے ساتھ لگتی ہے اس سے تعلق کو ظاہر کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ یعنی جب لاہور کے ساتھ لگی تو اس نے یہ ظاہر کیا کہ یہ شخص یا چیز لاہور سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح قصور کے ساتھ ''ی'' آ کر بتانے لگی کہ یہ چیز قصور کی ہے۔ یائے نسبتی کے بھی کچھ اُصول ہتے ہیں۔ اگر یہ کسی ایسے لفظ کے ساتھ لگائی ہو جس کا اختتام پہلے ہی ''ی'' پر ہوتا ہو تو اس صورت میں اُس لفظ کی ''ی'' کو ''و'' میں تبدیل کر کے یائے نسبتی کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے علی سے علوی، نقی سے نقوی، بریلی سے بریلوی وغیرہ۔ اسی طرح اگر کوئی لفظ ''ہ'' پر ختم ہوتا ہو تو اس صورت میں لفظ ''ہ'' کو ''گ'' میں بدلا جاتا ہے اور پھر اس کے بعد یائے نسبتی کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے بندہ سے بندگی اور زندہ سے زندگی ہے۔ کسی ذی روح کا زندہ ہونے کا احساس زندگی کہلاتا ہے۔ پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ وضاحت کا متقاضی ہوتا ہے کہ زندگی کیا ہے؟ یہ سوال جتنا آسان لگتا ہے اس پر جتنا بھی غور کرتے جائیں اس کی معنوی وضاحت اتنی ہی پیچیدہ اور مشکل ہوتی جاتی ہے۔ شعری اصطلاح میں ''زندگی'' کا لفظ سہل ممتنع کی وہ صورت ہے کہ جس کو ظاہری سطح پر تو ہر کوئی سمجھتا ہے کہ میں اس کی وضاحت اور تعریف کر سکتا ہوں لیکن حقیقی سطح پر اس کی تعریف کرنا آسان نہیں۔

علم، حکمت، سائنس، فلسفہ، عمرانیات، بشریات اور اس نوع کے دیگر سبھی علوم نے اپنے اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے اس کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان سب تعریفات کو اکٹھا کر کے بھی اس کا جائزہ لیا جائے تو الجھے ہوئے ریشم کی صورت اس کا سرا کسی بھی صورت انسان کے ہاتھ نہیں آتا۔ زندگی ایک ایسے دائرے کی

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



شکل میں سامنے آتی ہے جس میں انسان صبح سے شام، شام سے رات اور پھر رات سے صبح تک سر گرداں رہ کر بھی حیرت کی بے انتہا گہرائیوں میں غوطہ زن رہتا ہے۔ لیکن لاچاری و بے بسی اور بے چارگی دامن نہیں چھوڑتی۔ آپ شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں زندگی کی تعریف کے باب میں اتنی مبالغہ آرائی سے کام کیوں لے رہا ہوں؟ تو عرض ہے کہ جن متذکرہ بالا علوم کا میں نے ذکر کیا ہے آپ ان کا جائزہ لیں تو آپ خود اُسی حیرت سرائے کا حصہ ہوں گے جس کا میں اب بھی حصہ ہوں۔ چلیں ہم اُن سوالات سے زندگی کی یاترا کرتے ہیں جو ہر ذی شعور کے لیے اپنے دامن میں لحہ فکریہ لیے ہوئے ہے۔ اگر زندگی زندہ ہونے کا احساس ہے تو موت کو کس کھاتے میں ڈالا جائے گا۔ اگر زندگی کو محبت سے تعبیر کیا جائے تو نفرت کو کیا کہیں گے۔ اگر زندگی آرام دہ بستروں پر سونا ہے تو کانٹوں بھری سیج کیا کہلائے گی۔ اگر زندگی کامیاب ہونا ہے تو ناکام لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ اگر زندگی مذہبیت ہے تو لادینیت کیا ہے۔ زندگی کی تعریف کا دامن جس طرف سے بھی پکڑ لیں تو اُس کی دوسری طرف حیرت ہر صورت میں موجود رہتی ہے۔ اہلِ ذکر و فکر نے اپنے انداز میں اس کی کچھ تعریف یوں بھی کر رکھی ہے۔

> ”زندگی کسی الجھے ہوئے سوال کا نام نہیں۔۔۔۔۔ یہ ایک پُر لطف منظر ہے۔ ایسا لطیف منظر کہ تبصرے اور تنقید کے بوجھ کو بھی برداشت نہیں کرتا۔۔۔۔۔ یہ ایک دیکھنے والا منظر ہے۔۔۔ ایک سننے والا نغمہ ہے۔۔۔ ایک سوچنے والا منصوبہ نہیں۔۔۔ ایک مشکل معمہ نہیں۔۔۔ زندگی تو بس زندگی ہی ہے۔۔۔ کسی کا احسان ہے۔۔۔ کسی کی دین ہے۔۔۔ کسی اور کا عمل ہے۔“[۴]

زندگی کی جس طرح جتنی تعریف کی جائے وہ اتنی اپنی وسعت کا احساس دلاتے ہوئے ورطہ حیرت میں ڈالتی چلی جاتی ہے۔ اُسی طرح انسان پر غور کیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ روح اور قالب خاکی سے وجود میں آیا ہے۔ روح انسان کے باطنی حصے کی عکاسی کرتی ہے جب کہ قالب خاکی اُس کے ظاہر کو آشکار کرتا ہے۔ پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان ازل سے ابد تک اسی حالت میں ہے۔ اس کے لیے اُس کے سفر کی نوعیت کا جائزہ بھی لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس طرح قدیم تہذیبیں چاہے وہ میسوپوٹیمیا، ہڑپہ۔ موہنجوداڑو یا اس نوع کی کوئی بھی تہذیب ہو۔ وہ سبھی دریاؤں کے کناروں پر پروان چڑھی ہیں۔ پانی اُن کی بنیاد ہے جس نے اُن کی پرورش میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس کائنات میں جیسے جیسے پانی اپنی شکل و صورت بدلتا ہے ویسے ویسے وہ لوگوں کی بود و باش، رہن سہن اور تہذیب و تمدن میں نمایاں تبدیلیاں لانے کا باعث بنتا ہے۔ پانی جن علاقوں اور خطوں میں برف کی صورت میں ہے وہاں کے لوگوں کی زندگی کا اُسی تناظر میں محدود ہیں بل کہ اُن علاقوں کے لوگوں کو اپنے جسم و جاں کا رشتہ استوار کرنے کے لیے بہت زیادہ دقتوں کا سامنا ہے۔ اسی طرح میدانی علاقوں میں جہاں پانی مائع صورت میں دست یاب ہے وہاں زندگی بسر کرنا پہلے کی نسبت آسان ہے۔ وہاں زندگی کی شادابی اور آبادی قدرے زیادہ ہے۔ وہاں انسانوں نے تہذیب و تمدن کو پروان چڑھانے میں خاطر خواہ اپنا کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح ریگ ستانوں میں جہاں پانی نہ ہونے کے برابر ہے وہاں زندگی کا دھارا پہلے دونوں سے الگ تھلگ ہے۔ وہاں کاشت کاری بھی نہ ہونے کے برابر ہے اور اس کا دار و مدار بھی قدرتی بارشوں کے ہونے پر ہے۔ میدانی علاقوں میں پانی کا بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے جب کہ اس کے برعکس ریگ ستانی علاقوں میں پانی کی ایک ایک بوند کو سوچ سمجھ کر برتا جاتا ہے۔ میدانی علاقوں میں جو پانی نہانے، کپڑے و برتن دھونے کے نام پر ضائع کر دیا جاتا ہے، وہی ریگ ستانی علاقوں میں سنبھال کر رکھا جاتا ہے اور اُسے بھی کار آمد بناتے ہوئے جانوروں اور مویشیوں کو پلانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ اس طرح جہاں پانی کی بہتات ہے وہاں اُسے بے دریغ ضائع کیا جاتا ہے اور جہاں کم یاب ہے وہاں اُسے سوچ سوچ کر کام میں لایا جاتا ہے۔ ان سب سے ہٹ کر پانی کے جزیروں میں جہاں ہر طرف پانی ہی پانی ہے وہاں بھی زندگی کا رخ الگ طرح سے دکھائی دیتا ہے۔ ان کی تہذیب و تمدن میں بھی نمایاں فرق دیکھا جا سکتا ہے۔

پانی کی حالتوں میں تبدیلی جس طرح زندگی کے دھارے میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ یہ پانی کا سفر ہے جو اپنے سے وابستہ افراد و اشیا کے رہن سہن پر اثر انداز ہونے کا باعث بنتا ہے۔ اسی طرح انسانی سفر کا جائزہ لیں تو اس کا آغاز عالمِ ارواح سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام روحوں سے دو طرح کے عہد لیتا ہے ایک عہد انبیا کرام کی ارواح سے ہے کہ میں تمھارا رب ہوں اور یہ کہ نبی اکرم ﷺ میرے آخری نبی ہیں۔ جب یہ تمھارے درمیان تشریف لے آئیں تو تم سب نے اپنی بوت، شریعت اور الہامی کتب ترک کر کے ان پر ایمان لانا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا عہد عام ارواح سے ہے کہ میں تمھارا رب ہوں اور اس کے ساتھ نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور اسوۂ حسنہ کی پیروی کا عہد لیا گیا ہے۔ عالمِ ارواح میں انسان روح کی صورت میں ہے جب کہ اس مادی دُنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُسے ماں کے پیٹ میں قالب خاکی کا لباس عطا کیا ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



زندگی کا سفر عالمِ ارواح، مادی دُنیا، عالمِ برزخ سے ہوتا ہوا عالمِ ارواح پر جا کر ہی مکمل ہوتا ہے۔ روح اور قالبِ خاکی کا ملاپ ہی انسان کہلاتا ہے جسے نظامِ خلق اور نظام ربی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ جس کے متعلق آصف حسین کا کہنا ہے کہ:

"دراصل انسانی زندگی بیک وقت دو مختلف نظاموں سے کنٹرول ہوتی ہے جس میں سے پہلا نظام، نظامِ خلق ہے۔ کائنات میں حیات کا ہر مظہر اسی نظام خلق کے تحت تخلیق کیا گیا ہے جس کا طریقہ کار ارتقائی یا تدریجی ہے اور اسی طرح انسانی جسم کی تخلیق کا طریقہ کار بھی حضرت آدمؑ کو چھوڑ کر بعینہٖ وہی ہے جو جینٹک (Genetic) سائنس یا این سیلیوین (N. Sillivan) نے بیان کیا ہے۔ دوسرا نظام "نظامِ امر" ہے۔ یعنی 'حکمِ ربی' جسے خود قرآن نے 'روح' کا نام دیا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ نظامِ خلق کے تحت خلیات انسانی جسم تو تعمیر کر دیتے ہیں لیکن یہ جسم زندگی سے خالی ہوتا ہے۔ پھر اس میں نظام امر کے تحت روح داخل کر دی جاتی ہے اور یہی جسم ایک زندہ انسان کہلانے لگتا ہے اور جب یہ روح واپس نکال لی جاتی ہے تو وہی انسان، وہی جسم موت کی گود میں چلا جاتا ہے اور صرف یہی نہیں بل کہ وہ سارا نظام جس نے اُسے تعمیر کیا تھا ناکارہ ہو جاتا ہے۔"۵

زندگی میں انسان کے کردار اور آخرت میں اُس کی کام یابی کے لحاظ سے واصف علی واصف نے ان الفاظ میں اس پر روشنی ڈالی ہے:

"آپ کا اصل ساتھی اور آپ کا صحیح تشخص آپ کے اندر کا انسان ہے۔ اُسی نے عبادت کرنا ہے اور اُسی نے بغاوت، وہی دنیا والا بنتا ہے اور وہی آخرت والا۔ اُسی اندر کے انسان نے آپ کو جزا و سزا کا مستحق بنانا ہے۔ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کا باطن ہی آپ کا بہترین دوست ہے اور وہی بدترین دشمن۔ آپ خود ہی اپنے لیے دُشواریٔ سفر ہو اور خود ہی شادابیٔ منزل۔ باطن محفوظ ہو گیا، تو ظاہر بھی محفوظ ہو گیا۔"٦

کام یابی بھی ایسا ہی لفظ ہے جس کی کسی بھی زاویۂ نگاہ سے تعریف کریں اس میں تشنگی کا احساس ہر صورت میں رہتا ہے۔ جن لوگوں کا آخرت پر ایمان ہے اُن کے لیے یہ لفظ دونوں جہانوں میں سُرخ روئی کا مفہوم اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اُن کی کام یابی اس دنیا میں مال و دولت کے لحاظ سے اچھی گزران تصور کی جاسکتی ہے۔ اول الذکر دونوں جہانوں کے لحاظ سے اپنی کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ حیاتِ سرمدی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں اچھے گھر اور عمدہ محلات کی تعمیر کی بجائے آخرت میں اپنے اچھے اور عمدہ ٹھکانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اسی ضمن میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

"جہاں تک لذتِ سرمدی کا تعلق ہے اس کے حق دار تو وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے فکر و عمل میں کمال حاصل کیا ہے اور تکلیف و عذاب سے سرمدی سے وہ لوگ دوچار ہوں گے علم و عمل میں ناقص ہونے کی وجہ سے جن کا دامن گناہوں سے کسی نہ کسی طرح آلودہ رہا۔ اس تکلیف و الم کے عارضی سزاوار وہ ارواح ٹھہریں گی جنھوں نے فکر و عمل کی چوٹیوں تک تو رسائی حاصل کر لی مگر اس کے بشری تقاضوں سے پیچھا نہ چھڑا سکیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سعادتِ مطلقہ اس وقت حاصل ہونے والی نہیں جب تک کوئی شخص علم و ادراک میں کمال حاصل نہ کرے اور عمل میں کردار میں تزکیہ و پاکیزگی کے جوہر سے آراستہ و پیراستہ نہ ہو۔"۷

اِن متذکرہ بالا باتوں کے تناظر میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسان فکرِ آخرت کو پسِ پشت ڈال کر اس مادی دُنیا کی تگ و تاز میں ایسا گم ہوا ہے کہ خوابِ غفلت کی یہ پٹی اُس کی آنکھوں سے اس وقت اُترتی ہے جب اُس کی واپسی کی راہیں ہموار ہو چکی ہوتی ہیں۔ وہ ساری عمر اینٹ اور مٹی، گارا اور پتھر کے عالی شان عارضی گھروں اور محلات کی تعمیر میں مصروف رہتا ہے جب وہ اُنھیں مکمل کر لیتا ہے تو اُسے اُن میں بسنے کی توفیق ہی میسر نہیں آتی۔ ایسے افراد یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ دُنیا ہی ہمیشگی سے ہم کنار ہے حال آں کہ ہم سب لوگ تو اس سفر پر نکلے ہوئے ہیں جس کی شروعات عالمِ ارواح سے ہوئی ہے۔ اس کے پہلے مرحلے میں مادی دُنیا سے اللہ تبارک و تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کی پاس داری ہے۔ اس کے بعد عالمِ برزخ کی زندگی ہے اور پھر دوبارہ قیامت کے بعد اس مادی دُنیا کے اعمال کی جزا و سزا کا مرحلہ درپیش ہونا ہے۔ اس لیے مادی دنیا کے یہ گھر تو عارضی

ٹھکانہ ہیں۔ وہ افراد جو اس دنیا کی زندگی کو عارضی اور اُخروی حیات کو دائمی سمجھتے ہیں وہی کام یاب و کامران ٹھہرتے ہیں۔ اُن کی مثال اُس بطخ کی سی ہے جو پانی یا تالاب میں جب اُترتی ہے تو اُتنا ہی بھیگتی ہے جتنی کہ اُسے ضرورت ہوتی ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو بطخ سمجھ لے اور اپنی زندگی کو تالاب اس سے بھی وہ کام یاب زندگی گزار سکتا ہے۔ آج کے انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ اس مادی دنیا کی چکاچوند میں کھو کر اپنی اصل منزل سے گم راہ ہو جاتا ہے جب اُسے اس بات کا احساس ہوتا ہے تب وقت کی پونجی اُس کے ہاتھ سے ریت کی صورت نکل چکی ہوتی ہے۔ بقول نظیر اکبر آبادی:

ٹک حرص و ہوس کو چھوڑ میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا، بھینسا، بیل، شُتر، کیا گو میں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چانول، موٹھ، مٹر، کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا
جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کو ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا، کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو کاک لحد کی پھانکے گا
اس جنگل میں پھر آہ نظیر اک تنکا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا۸۱

انسانی زندگی میں کسی بھی بات کو جانچنے اور پرکھنے کے دو بنیادی طریقہ کار رہے ہیں۔ جن میں سے ایک عینیت پسندی (Idealistic) اور دوسرے کو حقیقت پسندی (Realistic) کا نام دیا جاتا ہے۔ عینیت پسندی تصورِ جاناں کیے ہوئے بیٹھے رہنے کا نام ہے کہ خالقِ کائنات نے انسان کو اس دُنیا میں بھیج دیا ہے اب اُس کی ذمہ داری بس یہی ہے کہ وہ دنیا میں اپنی مرضی کی زندگی بسر کرے۔ اپنے حقوق کی بات بڑھ چڑھ کر کرے، اپنی محرومیوں کا واویلا مچا کر یہ ثابت کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے کہ جو کچھ اُسے میسر ہے وہ اُس کی حیثیت سے کم تر ہے۔ وہ زندگی میں تصورات کی وہ دنیا بساتا ہے کہ بیگانے تو بیگانے اُس کے اپنے عزیز و اقارب یہاں تک کہ اس کے اہل خانہ بھی اُس سے عاجز آ جاتے ہیں۔ زندگی اور اس کے معاملات سے نبرد آزما ہونے کا دوسرا انداز حقیقت پسندی ہے۔ جس میں انسان تصورات کی دُنیا سے نکل کر اپنے ارد گرد کے حقائق کا جائزہ لے کر اپنے لیے زندگی گزارنے کا وہ اسلوب اپناتا ہے جو اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ افراد کی حیاتِ مستعار کو کار آمد، مفید اور قابلِ رشک بنانے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ حقیقت پسندی کو خود شناسی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ خود شناسی انسان کو خود سے مکالمہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ جس کے ذریعے انسان کا ضمیر اس کے اعمال و افعال پر گرفت کرتا ہے۔ اس سے جواب طلب کرتا ہے اور خود احتسابی کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی انسان کو تفکر و تدبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا دائرہ کار کائناتی مظاہر سے لے کر اپنی ذات پر آ کر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ کائناتی مظاہر فطرت پر غور و فکر اس انسان کی مشق ہے کہ وہ جائزہ لے کہ کون سی چیز کن عوامل کے تابع معرضِ وجود میں آئی ہے۔ اس کا بنانے کا مقصد کیا ہے؟ وہ اس کائنات میں کس کردار کی حامل ہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے کائنات کے سبھی مظاہرِ فطرت، سبھی اشیا، نباتات، جمادات اور حیوانات کی سبھی انواع و اقسام پر غور و فکر کرتے ہوئے توجہ آخر میں انسان کی اپنی ذات پر آ کر مرکوز ہوتی ہے۔ وہ اپنی پیدائش سے بھی بہت پہلے عالمِ ارواح میں اپنے موجود ہونے کا ادراک کرتا ہے۔ پھر خالق کائنات سے وعدہ کرتا ہے کہ میں تیری بندگی اور نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ پھر وہ اپنے وقتِ مقرر پر اس دنیا میں وارد ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی شیر خوارگی کی حالت سے لے کر موجود حالت پر نظر کرتا ہے۔ پھر وہ خود سے سوال کرتا ہے کہ وہ یہاں کیوں ہے؟ کس لیے ہے؟ وہ جس لیے یہاں ہے کیا وہ اس کا حق ادا کر رہا ہے؟ بقول مولانا جلال الدین رومی:

زندگی آمد برای بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی۹

دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنی بندگی کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ میثاقِ ازل کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

''اور یارسول ؐاللہ جب آپ کے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو بلوا کر جمع کیا اور اُن سے خود انہی کے سامنے اقرار کرایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب نے کہا ہاں! بے شک ہے۔ ہم اس کا اقرار کرتے ہیں تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو ل کہ ہیں اس کا پتہ ہی نہیں تھا۔''۱۰

اسی طرح قرآن مجید ہی کی سورۃ الذٰریت میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں انسان کے بھیجے جانے کے مقصد کی نشان دہی بڑے واضح انداز میں فرماتا ہے:

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کیا کریں۔ میں اُن سے کوئی رزق طلب نہیں کرتا اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔''۱۱

اللہ تعالیٰ نے چوں کہ انسان کو بندگی یعنی اپنی عبادت کے لیے اس جہاں میں بھیجا تھا اور اس نے نہ صرف میثاق ازل کو پس پشت ڈال دیا بلکہ اُس کی بندگی کرنے کی بجائے اس عارضی دُنیا کو ہمیشہ کا ٹھکانہ سمجھ کر اس دنیا کی مال و دولت، ظاہری نمود و نمائش کے لیے گھر، گاڑی، کاروبار کو فروغ، شہرت، طاقت اور اختیار کی دوڑ میں لگ کر اپنے مقصدِ حیات سے بیگانہ ہو گیا ہے۔ انسان مشکلات، مصیبتوں اور آفات میں اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور خوش حالی میں اُس سے منہ پھیر لیتا ہے۔ انسان کی اسی سرشت کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''اور جب انسان کو کوئی دُکھ لاحق ہوتا ہے تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے ہر حال میں ہمیں پکارتا ہے جب ہم اُس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو یوں آگے نکل جاتا ہے جیسے اُس نے کسی تکلیف کے لیے ہمیں کبھی آواز ہی نہیں دی تھی۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کے لیے اُن کے اعمال خوش نما بنا دیے گئے ہیں۔''۱۲

انسان جب کسی تکلیف سے نکل جاتا ہے تو پھر اُس کی آیتوں کو من چاہے معنی و مفاہیم کا جامہ پہنانے لگتا ہے اور اُسے جو خالقِ کائنات ہے اُس کے ساتھ چالا کیاں اور چالیں چلتا ہے۔ یقیناً ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ وعید سنائی ہے کہ اُن کے وہ اعمال بھی فرشتے مسلسل لکھ رہے ہیں اور اُنھیں ان تمام باتوں کا ایک دن ضرور حساب دینا ہو گا۔ اس بات کی طرف اشارہ سورۃ یونس میں ہی ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''اور جب لوگوں کو تکلیف لاحق ہونے کے بعد ہم اُن پر رحمت فرماتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں ہی میں بہانے کرنے لگتے ہیں۔ ارشاد فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد تدبیر کرلیتا ہے۔ تم جو شاز شیں کرتے ہو۔ ہمارے بھیجے ہوئے انھیں لکھتے جاتے ہیں۔''۱۳

نفسیات یونانی زبان کے دو الفاظ ''Psyche'' اور ''Logos'' کا مرکب ہے۔ جب کہ ''Psyche'' ایک یونانی لفظ سے اخذ کیا گیا ہے جس کا مطلب سانس یا روح ہے۔ ''Logos'' کا مطلب لفظ یا منق ہے۔ قدیم زمانے میں تمام علوم کو منطق قرار دیا جاتا تھا۔ اس طرح ''Psychology'' سے مراد ''علم روح'' ہے۔ اس علم کا باقاعدہ ذکر ہمیں پہلی مرتبہ ارسطو کی کتاب ''De Amima'' میں ملتا ہے لیکن سائنسی حلقوں میں لفظ ''Psychology'' کا استعمال دسویں صدی کی یورپی کتابوں میں ملتا ہے۔ انگریزی میں لفظ ''Psychology'' انگریز سائنس دان ولیم ہاروے (۱۶۵۷ء۔۱۵۸۷ء) نے استعمال کیا جو خون کی گردش کے دریافت کرنے پر علمی و سائنسی حلقوں میں خاصے مشہور و معروف ہیں۔ یہی لفظ انگریزی میں ۱۶۹۳ء میں استعمال ہوا۔ ۱۷۲۷ء اور ۱۷۷۶ء کے لگ بھگ یہی لفظ بالترتیب Psychologist اور

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL (JALT)

Vol.7. No.4 2024

Psychological کے طور پر استعمال ہوتے رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں یہی الفاظ یورپی ممالک میں نہ صرف عام بل کہ مقبول ہو چکے تھے۔ جہاں تک برصغیر میں اس لفظ کے استعمال ہونے کا تعلق ہے تو انگریزی علوم کے زیر اثر اس خطے کے پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ اور عام افراد کی زبان پر اس کا اجرا ہو چکا ہے۔۵۶

قدیم دور میں نفسیات سے مراد علم روح تھا لیکن یورپ کے جاگیر دارانہ ماحول میں روح کے تصور نے ایک مذہبی رنگ اختیار کر لیا جو کہ علم تقاضوں پر پورا نہیں اُترتا تھا۔ چناں چہ روح کی جگہ ذہن نے لے لی اور نفسیات کو علم ذہن قرار دیا جانے لگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب یورپ جاگیر دارانہ نظام سے آزاد ہوا اور سائنس کا دور دورہ ہوا تو ذہن کے تصور کو غیر سائنسی سمجھا جانے لگا کیوں کہ روح کی طرح ذہن کا بھی مشاہدہ ممکن نہ تھا پھر انسان کے ذہنی اعمال کا سائنسی طریقوں سے مطالعہ کیا جانے لگا اور اسے علم شعور قرار دیا گیا۔ یہ تعریف انیسویں صدی کی آخری دہائی میں جرمن ماہر نفسیات ولہلم وئٹ (۱۹۲۰ء۔۱۸۳۸ء) نے کی تھی۔ بیسویں صدی میں شعور کے تصور کو بھی غیر سائنسی قرار دیا گیا کیوں کہ اس کا براہ راست مطالعہ ممکن نہ تھا۔ اب نفسیات کی تعریف قابل مشاہدہ کردار کے حوالے سے کی گئی یعنی ''کردار کا سائنسی مطالعہ'' یہ تعریف امریکی ماہر نفسیات وائسن (۱۹۵۸ء۔۱۹۷۸ء) نے کی تھی۔ اس تعریف میں خاصی انتہا پسندی دیکھنے کو ملتی ہے کیوں کہ اس میں ذہن اور شعور جیسے بنیادی موضوعات کو نفسیات کے دائرہ کار سے خارج کر دیا گیا۔ اس طرح نفسیات کی وہ انفرادیت ختم ہو گئی تھی جو اسے دوسری معاشرتی سائنسز سے علیحدہ کرتی تھی۔۱۴

دو امریکی ماہرین نفسیات کاگان (Kagan) اور ہیومین (Hawemann) نے نفسیات کی یوں تے تعریف کی ہے:

> ''نفسیات وہ سائنس ہے جو قابل مشاہدہ کردار اور اس کردار کے عضویہ کے باطنی، ذہنی عوامل اور ماحول کے بیرونی واقعات کے ساتھ تعلقات کا باقاعدہ مطالعہ کرتی ہے اور اس کی تشریح کرتی ہے۔''۱۵

نفسیات کی یہ تعریف انسانی اور حیوانی کردار دونوں کے مطالعہ کو اپنے دائرہ کار میں لے آتی ہے۔ کردار کے علاوہ ذہنی عوامل کے مطالعہ کو نفسیات کا لازمی جزو سمجھتی ہے اور اس کے مطابق ذہنی عوامل کا بھی سائنسی مطالعہ ممکن ہے۔ اس لحاظ سے نفسیات کی یہ تعریف خاصی جامع متصور ہوتی ہے۔

مختلف سائنسی علوم کے مقاصد اس لحاظ سے مشترک ہیں کہ وہ سب کسی عمل کو سمجھنے، اسکی وجوہات تلاش کرنے، پیمائش کرنے، نوعیت بیان کرنے، پیشن گوئی کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نفسیات کے بھی یہی مقاصد ہیں۔

۱۔ کردار اور ذہنی کیفیات کی پیمائش کرنا اور اُن کی نوعیت بیان کرنا

۲۔ کردار اور ذہنی کیفیات کو سمجھنا اور اُن کی وجوہات تلاش کرنا

۳۔ کردار اور ذہنی کیفیات کی پیش گوئی کرنا اور انھیں کنٹرول کرنا

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نفسیات واحد سائنس ہے جو انسانی کردار کو سمجھنے، اس کی وجوہات تلاش کرنے، پیش گوئی کرنے اور اسے کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ تمام سائنسز یعنی تاریخ، عمرانیات، بشریات، سیاسیات اور نفسیات کے یہی مقاصد ہیں۔ گو ان سب علوم میں بہت سی باتیں مشترک ہیں لیکن ان کی کچھ اہم انفرادی خصوصیات بھی ہیں۔ نفسیات کی انفرادی خصوصیات یہ ہیں کہ یہ گروہ کے ساتھ ساتھ فرد پر اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے۔''۱۶

انسان کی تخلیق کا عمل نر اور مادہ کے ملاپ اور ان کے سپرم کے ملنے کی وجہ سے شروع ہوتا ہے۔ مادہ کی بچہ دانی سے ایک سیل اور نر کے سپرم کے اختلاط سے مادہ کی ماہواری کے چودہ یا سولہ دن کے بعد اس کے تخلیقی مراحل ترتیب پاتے ہیں۔ فرٹیلائزیشن کا عمل بچہ دانی کے ٹیوب میں مکمل ہوتا ہے۔ متذکرہ بالا سیلز ملتے ہیں اور پھر ان میں تقسیم کا عمل شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ، آٹھ سے سولہ اسی طرح یہ عمل ایک خاص مدت تک اپنے تشکیلی مراحل طے کرتا ہے۔ جب اس کی تشکیل مکمل ہو جاتی ہے تو پھر یہ عمل انسان کے مختلف نظاموں کی تخلیق کرتا ہے جہاں ضرورت نہ ہو وہاں یہ عمل خود بخود بند ہو جاتا ہے تا کہ کوئی نیا حصہ نہ بن سکے۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ جن نومولود کے ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں میں اسی طرح ایک پاؤں یا دونوں پاؤں میں پانچ سے زیادہ انگلیاں بن جاتی ہیں وہ انھی نظاموں کی گڑبڑ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ سپرم اور سیل کی تقسیم کے عمل کے چار دن بعد جو چیز وجود میں آتی ہے اسے ایمبریو کا نام دیا جاتا ہے۔ بچہ دانی کے تین پردے ہوتے ہیں اور اس کے اندرونی حصے میں ایمبریو چپک جاتا ہے۔ پھر میٹیوسس کے ذریعے بچے کی بڑھوتری کا عمل جاری رہتا ہے اور نو ماہ کے دوران اللہ تعالیٰ اُسے ایک خوب صورت انسانی شکل عطا کر

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT



دیتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو یہ بات بے جا نہ ہو گی کہ کہ نو ماہ اور سات دن کے بعد انسان کی تیاری کے جملہ مراحل مکمل ہوتے ہیں پھر مادہ کی بچہ دانی سکڑنا شروع ہوتی ہے اور بچہ اُس قدرتی نالی کے ذریعے باہر آ جاتا ہے۔

تحقیق اسلامی کا بنیادی ماخذ قرآنِ مجید ہے اس میں بھی انسانی تخلیق اور اس کے مدارج سے متعلق درجنوں ایسی آیات ہیں جن میں اس موضوع کو مختلف اور خوب صورت دلائل کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں تفکر و تدبر کرنے پر خاصا زور زور دیا گیا ہے کہ کائنات، زمین و آسمان، چرند، پرند، درند اور دیگر مخلوقات کی تشکیل اس کے علاوہ چاند، سورج، زمین اور مختلف سیاروں کی گردش الغرض آخر میں انسان کو اپنی تخلیق پر غور و فکر کرنے کی راہ دکھائی جاتی ہے تا کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک کا شکر گزار بندہ بن سکے اور اس کی بندگی کا صحیح حق ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ اس سلسلے میں ارشاداتِ ربانی درج ذیل ہیں:

> ''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے۔ پھر خون کے لوتھڑے سے۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتا ہے پھر (مہلت دیتا ہے جب تک) تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر (مہلت دیتا ہے جب تک کہ) تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور تم مقررہ مدت تک پہنچو، اور تا کہ تم عقل سے کام لو۔''۱۷

نفسیات ایک نوزائدہ بچے کے اعمال و افعال کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ شیر خوارگی، بچپن، بلوغت، شباب، بڑھاپا تقریباً سبھی مدارج کا جائزہ لیتی ہے۔ اس طرح یہ نہ صرف انسان کے مختلف ادوار کا مطالعہ کرتی ہے بل کہ اس کے رویے پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس نفسیات کی قسمیں جیسے تعلیمی نفسیات طلبا اور اساتذہ کے رویوں کے ساتھ اس ماحول کے مسائل کو واضح کرنے کے ساتھ ان کا حل بھی تلاش کرتی ہے۔ صنعتی نفسیات کارپوریٹ کلچر کے تحت آجر اور اجیر دونوں کے رویوں پر روشنی ڈالتے ہوئے جہاں ماحول کو بہتر بنا کر پیداواری صلاحیت میں اضافے کی راہ دکھاتی ہے وہاں آجر کو اپنے ملازموں کی فلاح و بہبود پر توجہ دے کر ان کی کارکردگی کو بہتر بناتے ہوئے، اپنے منافع میں خاطے خواہ اضافے کی راہ بھی ہموار کرتی دکھاتی دیتی ہے۔ اسی طرح معاشرتی نفسیات، کلینکی نفسیات، جرائم کی نفسیات، عضویائی نفسیات، تقابلی نفسیات، طبی نفسیات، صارفین کی نفسیات، ماحولیاتی نفسیات اور تنظیمی نفسیات سبھی کسی نہ کسی طرح انسان اور اس کے رویوں پر روشنی ڈالتے کے ساتھ اچھائیوں کو ابھارنے اور برائیوں میں خاتمے کو بھی ممکن بنانے کا کام سرانجام دیتی ہے۔

اس کائنات میں سب سے ضروری اور اہم ہستی حضرتِ انسان ہی کی ہے۔ اُسی کی تربیت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ ان پر الہامی کتابوں کا نزول کیا۔ انھیں زندگی گزارنے کے اُصول اور طریقے بھی بتائے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو متعدد بار تفکر و تدبر کی دعوت دی ہے اور اس کی ابتدا کائنات کے نظام سے لے کر، موسموں کے تغیر و تبدل، انسانوں اور جانوروں کی بناوٹ اور ان میں موجود نظاموں کے ساتھ ساتھ آخر میں بات یہاں پر آ کر ختم ہوتی ہے کہ انسان کو اس دُنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے۔ تفکر و تدبر کا عمل جو کائنات اور اس کے دیگر مظاہر سے شروع ہوتا ہے آخر میں انسان کی اپنی ذات پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی عرفانِ ذات کیا ہے؟ انسان اس دنیا میں دولت کے ارتکاز کے لیے صبح سے شام، شام سے رات اور رات سے صبح تک سرگرداں رہتا ہے لیکن رزق کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے۔ انسان نے اللہ کے وعدے کو بُھلا کر اور پسِ پشت ڈال کر رزق کی تگ و دو میں مارا مارا پھر رہا ہے اور اطمینانِ قلب سے کوسوں دور چلا گیا ہے۔ سبھی علوم بالعموم اور نفسیات بالخصوص انسان کو اس کے رویوں اور رجحانات کے تناظر سے ہٹ کر اپنی زندگی گزارے، اپنے خالق و مالک کی پہچان اس کی بندگی کرنے اور اس کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرتے ہیں۔ انسان کی کامیابی اسی میں ہے۔ وہ ان باتوں کو چھوڑ کر جو کچھ مرضی کرے کامیابی اور اطمینانِ قلب اُسے حاصل نہیں ہو سکتا۔

**حوالہ جات:**

۱۔ محمد حنیف ندوی، مولانا، افکار ابن خلدون، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع ہفتم، ۲۰۰۴ء، ص ۸۳
۲۔ سید قاسم محمود، ہماری کائنات، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۵ فروری ۱۹۹۱ء، ص ٦
۳۔ عبدالودود، مظاہر فطرت اور قرآن، لاہور، خالد پبلشرز، نیو گارڈن ٹاؤن، ۱۹۸۸ء، ص ٦۲، ٦۳
۴۔ واصف علی واصف، قطرہ قطرہ قلزم، لاہور، کاشف پبلی کیشنز، جلد ہفتم، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵

۵۔ آصف حسین خان، انسان، لاہور، راوی کتاب گھر، ۲۰۰۶ء، ص۴۹،۴۸

۶۔ واصف علی واصف، کِرن کِرن سورج، لاہور، کاشف پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص۹

۷۔ امام غزالی، تہافت الفلاسفہ، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۱۴ء، ص۲۴۸، ۲۴۷

۸۔ www.rekhta.org>banjarnama>nazirakbar abadi

۹۔ www.rekhta.org>rumi’s verses

۱۰۔ قرآن مجید، سورۃ الاعراف، آیت:۱۷۲

۱۱۔ ایضاً، سورۃ الذاریات، آیت:۵۷،۵۶

۱۲۔ ایضاً، سورۃ یونس، آیت:۱۲

۱۳۔ ایضاً آیت:۲۱

۱۴۔ حمید ہاشمی و دیگر، نفسیات، ص۱۵

۱۵۔ ایضاً، ص۱۵،۱۶

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ایضاً، ۱۷،۱۶